ہمارے علمائے کرام کا عجیب و غریب نظریہ دینی

اخلاقِ حسنہ سے نجات یقینی نہیں!

۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء کو میں نے ایک استفتاء مرتب کیا جس کا مضمون یہ تھا:-

استفتاء

" ایک شخص خاندانی مسلمان ہے اور خود بھی نہایت پابند صوم و صلوٰۃ شخص ہے، تہجد گزار ہے، ذکر و شغل کا بھی عادی ہے، وضع ظاہری بھی بالکل شریعت اسلام کے مطابق رکھتا ہے، لیکن زندگی اُس کی مکر و فریب، کذب افتراء، ایذا رسانی و قطع رحم میں بسر ہوتی ہے۔

دوسرا شخص قوم کا برہمن پشتینی کافر و مشرک ہے۔ اس کے گلے میں بتوں کی ہیکل پڑی رہتی ہے، رات دن پوجا پاٹ کرتا رہتا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت، یتامیٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوتی ہے اور اس کی ذات یکسر امن و سکون ہے۔

براہ کرم مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے بتائیے کہ ان دونوں میں کون ناجی ہے اور کون ناری، یا دونوں ناجی ہیں یا دونوں ناری، اگر آپ چاہیں تو استناداً قرآن، حدیث، و اقوالِ اکابر کا حوالہ دیدیں ورنہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف جناب کی رائے بحیثیت ایک عالم دین ہونے کے درکار ہے۔ میں پندرہ دن تک جناب کے فتوے کا انتظار کروں گا۔"

اس کی مطبوعہ نقلیں بغرض حصول جواب حسب ذیل علمائے کرام کے نام روانہ کی گئیں:-

مولانا کفایت اللہ صاحب دہلی	مولانا محمد عرفان صاحب دہلی
مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	مولانا احمد سعید صاحب دہلی

مولانا قطب الدین عبد الوالی صاحب لکھنؤ
مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ لکھنؤ
مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڈھ
مفتی صاحب ریاست رام پور
مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی ندوۃ العلماء لکھنؤ
مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت پھلواری
مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی
مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی
مولانا حسین احمد صاحب دیوبند
مولانا محی الدین صاحب امیر شریعت پھلواروی
صدر مدرس صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ
مولانا لطف اللہ صاحب رحمانی مونگیر
مولانا عبد العزیز صاحب صاحب گنج
مولانا احمد - احمدیہ - بلڈنگ لاہور

مولانا عنایت اللہ صاحب لکھنؤ
مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی
مولوی قاضی محمد یحییٰ صاحب بھوپال
مفتی صاحب حیدرآباد دکن
مفتی مولانا شبلی صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ
مولانا صبیح الحق صاحب پٹنہ
مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی
مولانا نثار احمد صاحب کانپور
مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسر
مولانا شاہ سید سلیمان صاحب پھلواری
صدر مدرس صاحب مدرسہ امدادیہ دربھنگا
مولانا محمد اسحاق صاحب بھاگلپور
مولانا ابو الکلام آزاد کلکتہ
مولانا عبد الستار صاحب لاہور

ان ۳۲ حضرات میں سے صرف ۱۶ نے جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائی جنکے نام یہ ہیں:-

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
مولانا احمد احمدی - قادیان
مولانا حسین احمد صاحب مدنی
مولانا عبد القادر صاحب مفتی رام پور
مولانا محمد سجاد صاحب بہار
مولانا احمد سعید صاحب دہلی
مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڈھ
مفتی صاحب بلدہ و صدارت عالیہ حیدرآباد دکن

قاضی محمد یحییٰ صاحب بھوپال
مولانا عبد الستار صاحب لاہور
مولانا عبد العزیز صاحب ڈھاکا
مولانا نثار احمد صاحب آگرہ
مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلی
مولانا عنایت اللہ صاحب لکھنؤ
مولانا غلام حسین از طرف شاہ سید سلیمان پھلواری
مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ

اب میں اسی ترتیب سے ان حضرات کے جوابات پیش کرتا ہوں:۔

مولوی اشرف علی۔ تھانہ بھون۔ ۱۴/۱۲ ۲۹

"سوال تیقع طلب ہے۔ جو تحریر سے خالی از تکلف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے۔"

مولانا محمد یحیٰی صاحب قاضی بھوپال۔ ۱۳ دسمبر ۲۹ء

الجواب

"یہ مسلمان ناجی ہے۔ مکر، فریب، کذب، افترا، ایذا رسانی، قطع رحم کی سزا کا مستوجب یہ شرک ناری ہے۔ خدمت ابنائے جنس۔ پرورش یتامےٰ۔ ہمدردی بیوگان۔ یک سرامن ہونا اور سکون اُسی کی ذات کا بیکار۔ جواب ہذا کے نتائج قابل انتظار ہیں۔ جبتک سوال میں استناد کی ضرورت نہیں تو جواب میں بھی نہیں۔ جب ضرورت ہو تو سب کچھ موجود ہے۔"

مولانا احمد لاہور۔ نمبر ۲۱۷۳ ۔ ۱۴ دسمبر ۲۹ء

"اخویم مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

بجواب استفتاء گذارش ہو کہ مذہب اسلام کے نقطۂ نظر سے جو کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے اسکا ثمرہ اسکو ملتا ہے اور جو کوئی برا کام کرتا ہے اسکی سزا بھگتتا ہے۔

من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ط ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ط ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب من یعمل سوءً یجز بہ ط

نہ تمہاری جھوٹی خواہشیں کچھ کام آتی ہیں نہ اہل کتاب کی جو بھی بُرا کام کرے گا اسکی سزا اس کو دیجائیگی۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پس کوئی مسلمان ہو یا اہل کتاب یا مشرک بت پرست ہر ایک کے اچھے اور برے عمل کا بدلہ اچھا یا برا اسکو ملتا ہے۔ ناری یا ناجی ہونا توازن اعمال پر منحصر ہے جس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو وہ آرام اور خوشی کی زندگی پائیگا جس کے نیک اعمال کا پلہ ہلکا ہو وہ تکلیف کی زندگی پائیگا۔

قارعہ

فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ الراضیۃ۔ واما من خفت موازینہ فامہ ہاویۃ ط پارہ ۳۰ سورۃ

اور اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کا پلہ اعمال نیک کا بھاری ہے اور کس کا ہلکا۔ کسی عالم کا یہ کام نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ کون ناری ہے اور کون ناجی۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔"

مولانا عبدالستار صاحب لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

الحمد للہ ممد الکون ومنہ استمد التوفیق والعون

انک لعلیٰ خلق عظیم

فقالت خدیجہ

کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم، وتحمل الکل، وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق ط (بخاری)

نماز، روزہ، جو کہ مذہب اسلام کے شعائر ہیں، وہ تب ہی منتج نتائج حسنہ ہوتے ہیں، جبکہ ان کی ادائگی ضابطۂ اخلاق فاضلہ کے ماتحت ہو، ورنہ نہیں، ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ۲۹/۴۵ پس جس نماز کا یہ اثر نہیں، وہ فی الحقیقت نماز ہی نہیں، بلکہ وہ ایک رسمی فعل ہے، اللہ تعالیٰ اس قسم کی رسمی عبادت کو قبولیت کی عزت نہیں بخشتا۔ انما یتقبل اللہ من المتقین ۵/۲۷ اسی طرح ہندو مذہب کے شعائر تب ہی مستوجب نتائج سیئہ بکر اخلاق فاضلہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، جبکہ انکا ظہور ضابطۂ اخلاق ذمیمہ کے ماتحت ہو، ورنہ وہ صرف ایک لغو رسمی فعل ہے، ولیس اخلاق خواہ حمیدہ ہوں، خواہ ذمیمہ، چونکہ یہ نفس انسانی کے وہ افعال ہیں، جن میں فطرت کے نیک پہلو یا بد پہلو کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اس لئے وہ ہر حالت میں موثر ہیں، لیس للانسان الا ما سعیٰ ۵۳/۳۹ کل نفس بما کسبت رھینۃ ۷۴/۳۸ کل امرء بما کسب رھین ۵۲/۲۱ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ط ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۹۹/۷ لیکن اخلاق حمیدہ منتج نتائج حسنہ ہیں، لھا ما کسبت ۲/۲۸۶ اور اخلاق ذمیمہ مستوجب نتائج سیئہ وعلیھا ما اکتسبت ۲/۲۸۶

اللہ تعالیٰ مکر، فریب، کذب و افترا، ایذا رسانی، قطع رحم، سے جو اخلاق ذمیمہ ہیں، انسان کو روکتا ہے، اور ابنائے جنس کی خدمت، یتامےٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی، امن و سکون، جو اخلاق حمیدہ ہیں: ان کے کرنیکا ارشاد فرماتا ہے، اور کے متعلق ذیل کے قرآنی ارشادات

بغور ملاحظہ فرمائیں۔

یخادعون اللّٰہ والذین آمنوا، لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین، وقد خاب من افتریٰ، ومن الذین اشرکوا اذ آکثروا، ولیقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ولیفسدون فی الارض اولٰئک ھم الخٰسرون، ولا تعثوا فی الارض مفسدین، وابتغ فیما اٰتٰک اللّٰہ الدار الاٰخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللّٰہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللّٰہ لا یحب المفسدین، ان یدعون من دونہ الا شیطانا مریدا، ومن یشرک باللّٰہ فقد افتریٰ اثما عظیما، ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی، واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب، واحسنوا ان اللّٰہ یحب المحسنین ط

والصلح خیر

اب رہا یہ امر کہ میں فیصلہ کرلوں، کہ ان دو شخصوں میں سے کون ناری ہے، اور کون ناجی، یا دونوں ناری ہیں، یا دونوں ناجی، سو اس پر میں لب کشائی نہیں کرسکتا، کیونکہ میں جنت اور دوزخ کی کنجی کا مالک نہیں ہوں، اس کا مالک مالک الملک لاشریک لہٗ ہے وبس،

ہاں اس قدر ضرور کہوں گا کہ اسلام ہر قسم کے توحید، اعتقادی، عبادتی، عملی، کا خواہاں ہے، اگر ایک طرف عملی توحید مسلوب نظر آرہی ہے۔ تو دوسری طرف عبادتی واعتقادی توحید کا فقدان ہے، نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا۔

مولانا حسین احمد صاحب۔

الجواب

اول الذکر کا خاتمہ اگر ایمان پر ہوا اور اُسکی بد اعمالیوں نے حسن ختام میں کھنڈت نہ ڈالی تو ضرور ناجی ہے پھر اگر گناہوں سے قبول ہونیوالی توبہ کرنیکے بعد مرا ہے، یا اُسکی تکالیف ومصائب گناہوں کے لئے کفارہ ہونے میں ہم پلہ ہیں تو ابتداء ہی سے نجات پاجائے گا۔ ورنہ سزا پانے یا شفاعت یا لحوق رحمت خاصّہ کے بعد۔ ثانی الذکر کا خاتمہ اگر شرک وکفر پر ہوا اور اوسکے اچھے اعمال نے حسن خاتمہ اور ایمان تک نہ پہونچایا تو وہ ناری اور مخلد فی النار ہے۔ واللّٰہ اعلم۔ ۱۶ رجب ۱۳۴۷ھ

مولانا عبدالعزیز صاحب گیلانی۔　　۱۶ دسمبر ۱۹۲۹ء

الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب ط

کسی محکم قانونی نظام کی تحت میں عمل پیرا ہونے پر اعمال کے نتائج مترتب ہوا کرتے ہیں۔ جیسے عمل ہوں گے ویسے ہی ثمرات۔ خیر ہوئے تو خیر۔ شر ہوئے تو شر ہوں گے۔ لیکن جہاں کسی قانونی نظام کی تحت میں عمل نہیں ہوتے بلکہ صرف کورانہ تقلید۔ یا آباواجداد کے نقش قدم کی اتباع تو وہاں من حیث عمل اچھے بُرے ہونیکی رائے انسانی عقل چاہے کچھ بھی دیا کرے ہر نظام قانونی کے نقطۂ نظر سے وہ ایک غیر منتج عمل ہی تصور کیا جائے گا۔

یا بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ بار آوری کے لئے زمین اور تخم کی صلاحیت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر زمین صالح تھی۔ پر خراب تخم ڈالے گئے تو خراب ہی ثمر بر آئیں گے۔ اور اگر تخم اچھے ہیں پر زمین میں صلاحیت نہیں۔ تو کچھ بھی ثمر نہیں دیگی۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زمینِ شور سنبل بر نیارد　　　در و تخم عمل ضائع مگرداں

رحمت عالم سید العرب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے التوحید راس الطاعات کے مبارک ارشاد میں بصیرت افروز اشارہ ارباب بصیرت کے لئے اسی کی طرف فرمادیا ہے فتدبر۔

اس تمہید کے بعد جواباً گذارش ہے

کہ ایک طرف تو مسلم موحد ہے جسکے بھلے بُرے اعمال عباداتاً و اخلاقاً نظام قانونی کی تحت میں ہو رہے ہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے اُسکے اچھے بُرے اعمال کے ثمرات کا ترتب عالم آخرۃ میں یقینی ہوگا۔ خیر۔ خیر شر۔ شر ہوں گے۔ اگر خیر محض ہیں تو ناجی اور شر محض ہوئے تو پس از عقوبت ناجی ہوگا۔ اور مختلط فی العمل بالعفو والکرم یا بعد از سزا و نقم نجات پانے کا مستحق سمجھا جائے گا۔

دوسری طرف مشرک و کافر ہے۔ اس کے اعمال گو ملک و قوم۔ ابنائے جنس کی خدمت اہل وطن کے حق میں تو بہت ہی مستحسن نظر آتے ہیں۔ اور اُس کی ذات سراپا امن وسکون بنی ہوئی ہے پر قرآنی نقطۂ نظر و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین سے اجمالاً اور مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علی شئی سے صراحتاً ناجی ہونے کے خلاف میں شہادت ملتی ہے۔ ھذا ما عندی رہی من الکتاب واللہ اعلم بالصواب ط

مولانا عبدالقادر صاحب مفتی رام پور۔

الجواب باللہ تعالیٰ التوفیق

بصورت مسئولہ اسلامی نقطۂ نظر سے کافر و مشرک بوجہ شرک ناری ہے جس پر قرآن مجید شاہد ہے ، ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء الایۃ اعمال خیر مصرحہ سوال باعث نجات نار نہیں۔ بلکہ ان کا ثمرہ دنیا میں حاصل ہونا ممکن۔ آخرت میں کفار کا کوئی حصہ خیر نہیں جب پر نصوص قرآنی شاہد ہیں، مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ اُسکی مغفرت کی یقینی امید ہے لقولہ تعالیٰ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء الایۃ، خواہ مغفرت فرما کر اللہ تعالیٰ بلا عذاب نجات فرماوے یا بقدر گناہ عذاب دیکر نجات بخشے یہ مشیئت الٰہی پر موقوف ہے۔ بہرحال مسلمان ناجی ہے، واللہ اعلم یہ نہایت مشہور مسئلہ ہے۔ جسکے سوال کی حاجت نہ تھی، اللہ ایسے شبہات آپکے دل سے نکالدے۔

مولانا نثار احمد صاحب آگرہ۔

الجواب وہو التوفق للصواب

سائل نے وہ سوال فرمایا جس سے ہم جیسے کم فہم اپنے آپ کو مفتی ہوتے ہوئے خدا کے ٹھیکہ دار اور ناری ناجی ہونے کا فیصلہ کرنیوالا سمجھنے لگیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء یوں پوچھا جانا چاہیئے کہ از روئے شرع شریف کون اچھا ہے اور کون مستحق مدح ہے ، بہرحال اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ مرتکب کبائر گناہ کا فاسق ہوتا ہے کافر نہیں ہوتا ہے، یہ تو پہلے شخص کی نسبت حکم شرعی ہے کہ وہ فاسق ہے مگر کافر نہیں اب اللہ کے اختیار میں ہے جو چاہے کرے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جو مسلمان شرک اور کفر خالص سے محفوظ رہے اور اللہ کے حوالہ چاہے تو بخشدے یا بقدر گناہ سزا بھگت کر جنت میں داخل ہووے۔

دوسرے صاحب کی نسبت قرآنی فیصلہ ہے کہ بغیر ایمان و اسلام کے بڑی سی بڑی نیکی بیکار ہے، عمر بھر نیکی کرے تمام عمر شب بیداری کرکے اللہ کو یاد کرے لاکھوں روپے خیرات کرے۔ بے ایمان و اسلام کے تو معتبر نہیں قرآن میں ہے۔ من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ و ہو مؤمن انما والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً واللہ اعلم بالصواب ط

مولانا محمد سجاد صاحب۔ پھلواری۔

الجواب ہو الموفق للصواب

پہلا شخص اپنی بد اعمالی اور محرمات قطعیہ کے ارتکاب کی وجہ سے مستحق عذاب ہے۔ لیکن ایمان و اسلام کی وجہ سے غفران کی امید ہے اور بعد تعذیب آخری نجات کا تحقق بشرطیکہ ایمان اسلام پر اوسکا خاتمہ ہو۔ دوسرا شخص اپنے عقائد و اعمال شرکیہ کی وجہ سے مستحق عذاب ہے اور یہ کہ ہمیشہ عذاب الہی میں مبتلا رہے بشرطیکہ اوسکا خاتمہ بھی اسی کفر و شرک پر ہو۔ (العیاذ باللہ)

ظاہری اعمال بر اور تبرعات، ایمان باللہ و بما جاء الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد آخرت میں مفید ہو سکتے ہیں"

مولانا محمد کفایت اللہ صاحب و مولانا احمد سعید صاحب دہلی

الجواب

اسلامی اصول کے موافق نجات کے لئے ایمان لازم ہے۔ مشرک کے لئے نجات نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء (نساء) اللہ تعالٰے اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دیگا۔ یعنی مشرک کی مغفرت کے ساتھ مشیت ایزدی متعلق ہی نہ ہو گی۔

خازن میں ہے۔ ومعنی الآیۃ ان اللہ لا یغفر لمشرک مات علی شرکہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء یعنی و یغفر ما دون الشرک لمن یشاء من اصحاب الذنوب والآثام (خازن ص ۴۵۳ مطبوعہ مصر جلد اول)

یعنی آیت کریمہ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالٰے مشرک کو جو مشرک ہونے کی حالت میں مرجائے نہیں بخشے گا اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ اور جرائم والوں میں سے جسے چاہے گا بخش دیگا۔ اور حدیث میں ہے۔ ثم امر بلالا فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ (بخاری جلد اول ص ۴۳۱) یعنی پھر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے لوگوں میں پکار کر کہدیا کہ جنت میں صرف نفوس مسلمہ داخل ہونگے۔

ہاں جو مسلمان کہ ایمان واسلام کے ساتھ گناہوں کا مرتکب بھی ہوگا۔ اگر توبہ کرکے نہ مرے تو اس کو گناہوں کے بدلے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ یعنی وہ عذاب نہ دئے جانے کا مستحق ہے اگر حق تعالیٰ چاہے تو اُس کو بغیر عذاب دئے بخش دے اور چاہے عذاب دیکر بالآخر نجات دے۔

کافر اور مشرک کے پاس نجات کی اساسی شرط اور رضاء حق تعالیٰ کی کلید یعنی ایمان نہیں اسلئے وہ نجات جسکو رضاء مولیٰ کے حصول یا وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے نہیں پاسکتا۔ نہ نجات کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

انسانی روح کی منزل مقصود رضاء مولیٰ یا بلفظ دیگر وصول الی اللہ ہے۔ اس منزل مقصود تک سفر کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ ایمان کی قوت (سٹیم) ہے۔ اعمال حسنہ اس قوت کو معین ہو سکتے ہیں لیکن اصل قوت کا کام نہیں دے سکتے۔

مثلاً ایک مقام پر دو ٹرینیں کھڑی ہیں۔ ایک ٹرین کے ڈبے نہایت نفیس صاف وشفاف اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ڈبوں میں ہر قسم کے راحت کے سامان خوا کہ الوان طعام سب موجود ہیں۔ اس میں بیٹھنے والے نہایت راحت وآرام پاتے ہیں۔ کھانا کھاتے۔ مٹھائیوں اور میووں سے لذت حاصل کر رہے ہیں۔

دوسری ٹرین کے ڈبے نہایت میلے کچیلے خراب خستہ ٹوٹے پھوٹے۔ نہ کسی قسم کی راحت کا سامان نہ کھانے پینے کا آرام۔ اس کے پُرزے بھی پرانے گھسے ہوئے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی ٹرین میں سٹیم کا انجن نہیں ہے اور دوسری میں سٹیم والا انجن لگا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری خراب خستہ ٹرین باوجود اپنی تمام قباحتوں اور خرابیوں کے واصل الی المقصود (ناجی) ہوگی۔ اور پہلی نفیس اور صاف و شفاف ٹرین باوجود اپنی تمام خوبیوں بلکہ راحت پاشیوں اور فائدہ رسانیوں کے غیر واصل الی المقصود (غیر ناجی) ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر اس ٹرین میں سٹیم کا انجن لگا دیا جائے۔ تو اس کی سیر الی المقصود اعلیٰ واکمل ہوگی۔ لیکن جب تک اصل قوت یعنی سٹیم کا انجن نہ ہو اس کی تمام خوبیاں فائدہ رسانیاں زر پاشیاں۔ ڈبوں کی صفائی پرزوں کی خوبی اور مضبوطی سب بیکار ہے۔

یہی مطلب ہے اس آیہ کریمہ کا۔ ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی بہ (آل عمران) یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مرگئے تو انمیں سے کسی کی طرف سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ سونا اُسنے فدیہ خسران یعنی عدم نجات کے طور پر پیش کیا ہو مراد یہ ہے کہ چونکہ اس نے وصول الی اللہ کے لئے اصل قوت محرکہ وموصلہ حاصل نہیں کی (یعنی ایمان) تو اگرچہ دنیا میں اُسنے زمین بھر سونا بھی خرچ کیا ہو مگر یہ اُسکے لئے ایمان (یعنی اصلی قوت موصلہ) کے قائم مقام نہ ہوگا۔

جس طرح کہ مثال مذکور میں پہلی ٹرین کی خوبصورتی صفائی مضبوطی فائدہ و راحت رسانی وصول الی المقصو کے لئے کام نہ آئی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی قوت موصلہ کا کام نہیں دے سکتی اور جب تک قوت موصلہ نہ ہو ہر ایک کا وجود بیکار ہے۔

جو لوگ کہ اللہ تعالےٰ کے وجود اور اسکی صفات مالکیۃ ربوبیۃ رزاقیۃ وغیرھا پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے تو اس امر کا سمجھ لینا کچھ مشکل ہی نہیں کہ اسلام نے نجات کے لئے ایمان باللہ کو کیوں لازم قرار دیا ہے۔

بادشاہ سے بغاوت ایسا جرم ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے مجرم کی تمام صفات حسنہ اُسکے بچانے کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ بالخصوص جبکہ بادشاہ نے یہ اعلان بھی کر دیا ہو کہ باغی کا جرم معاف نہیں کرونگا۔ باقی جرائم کو چاہوں گا تو معاف کر دوں گا۔

یہ شبہ کہ جس شخص کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت۔ یتامےٰ کی پرورش۔ بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوئی ہے اس کا ناجی نہ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ یہ اعمال حسنہ بے کار اور ضائع ہو جائیں اور یہ بات غیر معقول ہے۔ اس امر پر مبنی ہے کہ اعمال حسنہ کو نجات کے لئے موجب بالذات مانا جائے اور یہ غلط ہے کیونکہ نجات بہ معنے وصول الی اللہ کا تصور بغیر اللہ تعالےٰ کے اعتراف اور ایمان باللہ کے نہیں ہو سکتا۔ اور کافر جبکہ بت پرست عابد صنم ہے۔ مومن باللہ اور مصدق بالصفات موحد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو اس کے افعال حسنہ بہ نیت تقرب الی اللہ (یعنی سیر الی اللہ) ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اُن کو حقیقۃً افعال حسنہ ہی کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے یہ لازم ہی نہیں آیا کہ افعال حسنہ بیکار ہو جائیں۔

دوم یہ کہ ایسا شخص جو نیک کام کرتا ہے اُس کی منزل مقصود حصول نیک نامی ہوتی ہے اور یہ مقصد اُسے حاصل ہو جاتا ہے۔ من سمع سمع اللہ بہٖ۔ پس اس کے اعمال کا بطلان اور ضیاع لازم نہیں آیا۔

تیسرے یہ کہ اگر باوجود کفر اور شرک کے اس کے اعمال صالحہ میں اگر ادنےٰ سے ادنےٰ شائبہ بھی اعتراف و ایمان باللہ کا ہوگا اور کسی درجہ میں بھی وہ حصول رضاء مولےٰ تعالےٰ کا قصد رکھتا ہوگا تو حضرت حق تعالےٰ اس کے انھیں اعمال صالحہ کو اُس کے لئے وسیلۂ ایمان باللہ بنا دیگا اور اس کیلئے سیر الی اللہ کی اصل قوت (سٹیم) مہیا و میسر فرما دے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اسلمت علیٰ ما سلف لک من خیر سے مفہوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اسلام لانے سے پہلے جو اعمال صالحہ (مثلاً صدقہ غلام آزاد کرنا صلہ رحمی وغیرہ) کئے ہیں۔ کیا مجھے اُن کا بھی کچھ ثواب ملے گا۔ تو

حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ انھیں اعمال کے صلے اور نتیجے میں تو تمکو ایمان اسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔
اس مختصر تشریح کے بعد آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مومن عاصی آخر کار ضرور ناجی یعنی واصل الی اللہ ہے۔ اُس کے ایمان کا مقتضے یہ ہے کہ مولیٰ تعالےٰ اس کو اطاعت و انقیاد کے صلے میں آخر کار ضرور رضامندی کا تمغہ عطا فرمائے۔ اگرچہ وصول الی اللہ کے سفر میں اس کو اپنی خستگی خرابی کمزوری (جرائم و معاصی کی وجہ سے کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی تکلیف اور مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ قوت موصلہ (ایمان کی سٹیم) موجود ہے اسلئے ایک نہ ایک دن ضرور منزل تک پہنچ کر رہیگا۔
اور کافر نیکوکار ناجی نہیں یعنی واصل الی اللہ و فائز برضاء اللہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں دُنیا میں اس کے اعمال صالحہ کا بدلہ یعنی نیک نامی منقبت۔ مقبولیت۔ شہرت یا دولت و ثروت مل جائے لیکن مالھم فی الاخرۃ من خلاق۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محل لکھنؤ۔

هوالمصوب

ولعبد مومن خیر من مشرك۔ مسلمان مشرک سے بحیثیت اسلام بہرحالت بہتر ہے اور ہر مسلمان ناجی ہے گو بعد عذاب ہو اور ہر مشرک مخلد فی النار ہے والعبرۃ بالخواتیم واللہ اعلم

مولانا سید سلیمان ندوی۔

الجواب

۱۔ دونوں ناری ہیں۔ کیونکہ نجات کامل موقوف ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے۔ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سندخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار (النساء) قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون، والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لاماناتھم و ... ھم راعون والذین ھم علی صلواتھم یحافظون ط (المومنون)
لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس

اولئك الذین صدقوا واولئك هم المتقون (بقرہ-۲۲)

۲- لیکن ممکن ہے کہ پہلا بخشا جائے، اور دوسرا نہیں،

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد افتری اثماً عظیما (نساء،۷)

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء ومن یشرك باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً (نساء، ۱۰)

مولانا غلام حسنین پھلواروی۔

اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ ایمان بغیر عمل اور عمل بغیر ایمان آیا برابر ہیں۔ یا دونوں کے مدارج میں فرق ہے۔ لیکن جمہور امت اس بات کی قائل ہے کہ ایمان کا مرتبہ عمل سے افضل ہے۔ لہذا عمل بغیر ایمان۔ ایمان بغیر عمل کے برابر نہیں ہو سکتا۔ عمل کا فقدان موجب عذاب ہے لیکن ایمان کا فقدان زیادہ عذاب کا موجب ہے۔ اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ عمل کا فقدان ابدی عذاب کا موجب نہیں ہے مگر فقدان ایمان کی صورت میں اکثریت ابدی عذاب کی قائل ہے اور ایک گروہ ابد سے مراد طول مکث لیتا ہے اور قائل ہے کہ آخری انجام سبھوں کا نجات ہے۔

ہماری ذاتی رائے جمہور کی موافقت میں ہے کہ مومن عاصی کا آخری انجام نجات ہے اور غیر مومن کا عذاب ابدی ہے۔ مگر اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر مومن کا حسن عمل تخفیف عذاب کا باعث ہوگا یا نہیں۔

مفتی صاحب حیدر آباد دکن۔

الجواب حامداً ومصلیاً

مسلمان کیسا ہی عاصی کیوں نہ ہو اپنے اعمال کے سبب مستوجب سزا ہوگا۔ لیکن ناری نہیں اس لئے کہ محض اسلام خلود فی الجہنم کو مانع ہے۔ واہل الکبائر من المؤمنین لا یخلدون فی النار وان ماتو من غیر توبۃ ما صہ۔ شرح عقائد نسفی۔

اگر توبہ کرکے مریں تو مغفرت کی امید ہے۔ کافر مشرک خواہ اُسکی تمام زندگی نیکیوں ہی میں کیوں نہ گذر

جائے۔ ناجی نہیں اس لئے کہ شرک ناقابل بخشش و مانع حصول بہشت ہے۔ واللہ تعالےٰ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء من الصغائر والکبائر صہ ۱۲۷ شرح عقائد نسفی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ رشبان المعظم ۱۳۴۹ھ

مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔

جواب استفتاء

السلام علی من اتبع الہدیٰ

تمہید۔ دفتر رسالہ نگار سے مطبوعہ استفتاء کی ایک کاپی میرے پاس بھی پہونچی۔ مجھکو تعجب ہوا کیونکہ افتاء منصب دینیہ میں ایک جلیل الشان منصب ہے۔ اس کے مخصوص آداب و شرائط ہیں۔ جن پر عالم دین کی ذات میں جمع ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر جامع شرائط بزرگ پر یہ لازمی ہے کہ بغیر کسی خاص داعیہ دینی کے اس جانب اقدام کرے۔ میں نے اپنی گذشتہ زندگی کے کسی لمحہ میں بھی خود کو نہ منصب افتاء کا اہل سمجھا اور نہ مفتی فی الفروع کی حیثیت سے ملک و ملت کے سامنے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے شعبۂ سیاسیات یا تعلقات بین الملل کے علاوہ کسی استفتاء کا نہ جواب لکھتا ہوں۔ اور نہ حتی الوسع تہیہ کرتا۔ مخصوص شعبہ سیاست میں دوسرے مقدس پیشوایان مذہب کے مقابلہ میں مجھکو بعض حضرات سے نسبتاً زیادہ غور و فکر کا موقع ملا ہے۔ اس لئے بحول اللہ و قوتہ اپنی بصیرت کے موافق سیاسی استفتاءات کا جواب تحریر کرنے میں تامل و تردد نہیں ہوتا۔ میری حیثیت اس سے زائد نہیں کہ مسلمانوں کا قومی خدمت گذار ہوں اور ان میں اپنی بساط کے مطابق اسلاف صالحین کے اسلام کا داعی۔ مذکورہ بالا استفتا میرے حدود عمل سے بظاہر خارج تھا۔ اس لئے مجھکو تعجب بھی ہوا اور تحریر جواب میں کسی قدر متامل رہا۔ بالآخر اس خیال سے کہ شاید عنوان استفتا اپنے مشہور و متعارف اصطلاح میں مستعمل نہ ہوا ہو۔ مختصراً جواب لکھنے کا تہیہ کیا اگر ضرورت پیش آئی تو مناسب شرح و بسط کے ساتھ دوبارہ عرض کر دیا جائے گا۔

غالباً یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ جوابات پر اظہار خیال کے سلسلے میں جب میری تحریر کا نمبر آئے تو نقد و تبصرہ کی ایک کاپی مجھکو بھی بھیجدی جائے۔

ہو الہادی

جواب۔ کسی کے ناجی یا ناری ہونے کا علم حقیقی نہ کسی عالم دین کو ہو سکتا ہے نہ عالم دنیا کو۔ یہ حقیقت

انسانی عقل و ادراک کی سطح سے بالاتر ہے۔ اس میں انجام کا اعتبار ہے۔ جو بندوں سے مخفی ہے۔ علیم و خبیر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدیٰ۔ جس شئے کا ہمکو علم نہیں۔ اس پر ہم حکم نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی نجات اُخروی یا ہلاکت کا فیصلہ صرف احکم الحاکمین کا کام ہے۔ ان ربک یفصل بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ لہٰذا اس اہم مسئلہ میں قطعی رائے کا اظہار یا کسی مخصوص شخص کے ناجی یا ناری ہونے کا حکم لگانا اعمال الٰہیت میں دخل در اندازی کے مترادف ہوگا۔ ہاں! بے شک حق تعالےٰ کے نازل فرمائے ہوئے قانون قرآن کریم کی روشنی میں ظاہری علائم و آثار کی بناء پر جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ استفتاء کے تنقیح طلب فقرات پر اظہار خیال کے بعد آخر میں خلاصہ لکھدیا جائے گا۔

نمبر ا۔ خاندانی اسلام کی قید بے اثر اور غیر ضروری ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا محض خاندانی مسلمان ہونا اُس کی نجات کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ خود عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کا پابند نہ ہو۔ من قعد بہ عملہ لم یرفعہ نسبہ۔ جس کے ذاتی اعمال اُس کو پستی میں گرادیں اس کو عالی نسبی بلند نہیں کرسکتی۔ اور مشرف باسلام ہونے کے وقت کسی نو مسلم کا درجہ ایک باعمل خاندانی مسلمان سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام قبول کرتے ہی اس کے سارے پچھلے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سب معاف ہوگئے۔ الاسلام یھدم ما قبلہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونیوالے معصوم بچہ کی طرح تمام آلودگیوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے۔

نمبر ۲۔ پابند صوم و صلوٰۃ ہونا خاندانی مسلمان کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلام میں کسی نئے داخل ہونیوالے کے لئے۔ تہجد و ذکر و شغل قلب کی سختی اور سیاہی کو دور کرکے ایمان و معرفت کے نور سے منور کرتا ہے۔ اعمال بر عمدہ تقویٰ بتدریج ایسے شخص کی زندگی کا جزو لاینفک ہوجاتے ہیں۔ اور معاصی سے سخت نفرت و وحشت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ سے بتقاضائے بشریت احیاناً گناہ سرزد تو ہوتا ہے۔ لیکن معصیت آلود زندگی گذارنا اُسکے حق میں محال ہوجاتا ہے۔ غلطی کے بعد فوراً اس کا احساس ہوتا ہے۔ اور جب تک توبہ و استغفار کرکے اس کا تدارک نہ کرے اس وقت تک اس کے قلب مضطرب کو چین نہیں آتا۔ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون۔ط

نمبر ۳۔ یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم نے جو کپڑا یا جس وضع کو مسلمانوں کے

لئے بالخصوص مردوں یا عورتوں کے لئے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے محترز رہتا ہے لباس میں غیر مسلموں کی وہ مخصوص وضع اختیار نہیں کرتا جو اسلامی امتیاز کو اٹھا دے کہ اگر کسی اجنبی مقام پر اس وضع میں مرجائے تو مسلمان اس کو اپنے طریقہ پر تجہیز و تکفین کر کے اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے قاصر رہیں۔ حق تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں کی وضع و قطع اختیار کرنا بھی پاک دروغی کی علامت ہے۔

جو اعمال و احوال استفتاء کی ابتدائی دو سطروں میں از فقرہ نمبر ۱ تا نمبر ۹ تحریر ہوئے ہیں جس کسی شخص کے ایسے اعمال و احوال ہوں محال عادی ہے کہ اس کی زندگی ان کمزوریوں سے آلودہ رہ سکے۔ جن کا شمار "لیکن" کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس غریب کی پابندی صوم و صلوٰۃ کسی شخص یا جماعت کو مکر و فریب نظر آئے۔ اس کی نصیحت آمیز تلقین مذہب کذب و افترا کا لقب پائے۔ اس کی اسلامی وضع و قطع کسی کو پسند نہ آئے۔ یہ فرض محال ہی نہیں واقعات ہیں۔ مخالفین حق و اہل حق کی نسل منقطع نہیں ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے استفتار کی صورت مفروضہ فرض محال کے درجہ میں ہے۔ بہرحال اگر کسی نیک عمل مسلمان کی زندگی بھی مکر و فریب کذب و افترا ایذا رسانی و قطع رحم جیسے سنگین جرائم سے محفوظ نہیں رہی اور اخیر دم تک تلافی مافات اور سچی توبہ و انابہ کی توفیق بھی نہیں ہوئی اور ایمان و توحید پر قائم دنیا سے رخصت ہو گیا تو ایسے شخص کی نجات یقینی ہے۔ لیکن گناہوں کی پاداش میں معذب ہونا یا نہ ہونا حق تعالےٰ کی مشیئت پر محول ہے۔ حقوق العباد کے سوا بقیہ معاصی کو خواہ ابتدا ہی سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرما دے خواہ ان گناہوں کی سزا میں جہنم میں ڈالے اور سزا بھگتنے کے بعد اس کو جہنم سے نکال کر جنت نصیب فرمائے۔

نمبر ۵۔ جواب کا دار و مدار عقیدہ و شرک و کفر پر ہے۔ اسلام نے نہ اپنے ماننے والوں کے لئے ذات کی اونچ نیچ اور نسلی امتیاز کا کوئی حق تسلیم کیا ہے اور نہ کفار و مشرکین اور تمام غیر مسلموں کے لئے، اس کا صاف اور غیر مشتبہ فیصلہ ہے۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ اس نے مشرک و کافر برہمن ہو یا چمار دونوں کی حالت یکساں ہے۔ بشرطیکہ اپنی جماعت کا سرغنہ اور کفر کا علمبردار نہ ہو اسی طرح پشتینی کی قید بھی بالکل بیکار ہے۔ نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ باپ دادا کے کفر کا یہ حصہ دار نہیں۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔

نمبر ۶۔ علیٰ ہذا بتوں کے ہیکل ڈالنے یا نہ ڈالنے کا بھی کوئی خاص اثر نہیں۔ اور نہ پوجا پاٹ کرے گا یا نہ کرے گا۔

نمبر ۷۔ کوئی مشرک و کافر ابنائے جنس کی خدمت یتیموں کی پرورش بیواؤں کی ہمدردی۔ غرض اس قسم کی بے شمار نیکیاں کرتا ہوا شرک و کفر کی حالت میں مرجائے تو ناری ہوگا۔ انہ من یشرک باللّٰہ فقد حرم اللّٰہ علیہ الجنۃ وماواہ النار۔ رہا اس کی نیکیوں کا معاملہ تو اس کا صلہ اس کو دنیا ہی

میں مل جائے گا۔ کشائش رزق۔ کثرت مال و اولاد۔ نیک شہرت۔ ہر دلعزیزی۔ روحانی کلفتوں اور جسمانی آفتوں سے محفوظ۔ اس طرح دنیاوی صلہ کی ہزارہا شکلیں ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں آخرت میں ایسے رحمدل مشرک کا عذاب کسی سفاک بے رحم کافر کے مقابلہ میں یقیناً ہلکا ہوگا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ کہ عالم آخرت میں کوئی نیکی اس وقت تک معتبر نہ ہوگی۔ جب تک توحید و رسالت کے اعتقاد و اقرار کے ساتھ پیش نہ ہو۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ جہاں تک نجات اخروی کا تعلق ہے۔ کسی مشرک و کافر کی نیکیاں رائگاں اور ضائع ہیں۔ اور اس کا کوئی وزن نہیں لا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔ ان کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ وما ھم بخارجین من النار البتہ دوسرے سنگدل کفار کے مقابلہ میں نیک خصلت مشرکوں کو عذاب ہلکا ہوگا۔ ان فی الجنۃ درجات و فی النار درجات ولکل درجات مما عملوا

دین الٰہی میں کفر و شرک کا وہی درجہ ہے جو دنیاوی حکومتوں کے خود ساختہ قوانین میں بغاوت کا ہے۔ اگر بغاوت کا محض شبہ اور کسی ظالم حکومت کے خلاف سازش کا صرف الزام کسی نیک دل پاک طینت نوجوان کی جانب سے خدا و ندان امن و آزادی کے تمام اعلےٰ جذبات انسانیت و ہمدردی منقطع کرکے ان مدعیان تہذیب و شائستگی کو سنگدلی و بے رحمی کے جامہ میں پیش کر سکتا ہے۔ اور یہ سنگدلی اور بے رحمی نام نہاد انصاف و قانون کی نظر میں جائز قرار پاتی ہے۔ اور مذہب اور انسانیت کے خلاف کسی مجاہد اعظم کی زبان یا قلم کو حرکت نہیں ہوتی۔ تو پھر عقل و دانش کی رب العالمین جسکی شان الذی یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ہے۔ اس کے اس عادلانہ فیصلہ پر کہ وہ کسی اقراری باغی کو ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار دیتا ہے کس کی مجال ہے جو زبان اعتراض کھولے اور جبکہ جزا و سزا اور قانون مجازاۃ عام ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اور اس قانون کی رو سے ہر نیکی یا بدی کی جزا یا سزا اٹل ہے۔ تو ایمان و کفر جو اساس عمل ہیں۔ کیونکہ مستثنےٰ قرار پا سکتے ہیں۔ اور اعتقاد کفر و ایمان کو کس بنیاد پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔ ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ام نجعل الذین امنو و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام وہ مسلمان جن کا خاتمہ زندگی عقیدۂ توحید پر ہوا ہے ان کا مآل نجات ہے۔ خواہ ابتداً ہو یا اپنے گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد۔ اور سارے کافر ناری ہیں۔ اگرچہ ایک پرہیزگار مسلمان کا درجہ

کسی گنہگار مسلمان سے اعلیٰ وارفع ہوگا اور اسی طرح ایک رحمدل نیک طبیعت مشرک کا عذاب بے رحم ظالم کافر کے مقابلہ میں ہلکا ہوگا۔ ھذا

نسأل اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ ان یجعلنا وایاکم ممن اتبع ھداہ ویوفقنا لما یحبہ ویرضاہ واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

(**نگار**) ان جوابات کو اگر ان کی مختلف ذہنیتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے، تو ان کو چار علیحدہ علیحدہ تقسیموں میں جدا کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ضعیف و کمزور یا مصلحت اندیش ذہنیت جو کسی قسم کا جواب دینا پسند نہیں کرتی، دوسری وہ جسے ہم "مذبذبین" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ تیسری وہ جس کا تعلق "راسخون" سے ہے اور چوتھی وہ جو بالکل غیر جانبدار رہنا چاہتی ہے اور عدم علم کا اعتراف کرتی ہے۔

اول الذکر ذہنیت کی مثال آپ کو صرف ایک مولانا اشرف علی صاحب کے جواب میں نظر آئیگی کہ انھوں نے نہ صرف جواب دینے سے احتراز کیا بلکہ اس کی بھی کوشش کی کہ ان کی شخصیت کا پتہ نہ چلے، کیونکہ نہ اُنھوں نے جواب میں اپنے دستخط ثبت فرمائے اور نہ مقام درج کیا جس سے کچھ سراغ چل سکتا۔ لیکن شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ لفافہ کے اوپر ڈاک خانہ ایک مہر بھی ثبت کر دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو پتہ چلنا مشکل تھا کہ یہ کس بزرگ کی تحریر ہے، کب لکھی گئی اور کہاں سے آئی؟

اس کے بعد جو جواب دیا گیا ہے اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے کہ:۔

"سوال تنقیح طلب ہے جو تحریر سے خالی از تکلف نہیں۔ ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے۔"

مولانا نے گویا غالب کے انداز میں کوئی اوق شعر تصنیف فرمایا ہے جس کے بعض درمیانی حصے متروک و محذوف ہیں۔ اور اپنے نزدیک ایسا مسکت جواب دیا ہے کہ شاید ہی اس سے زیادہ کوئی بلیغ جواب فریق ثانی کو اس درجہ تکمیل کے ساتھ ساکت کر سکتا ہو۔

مولانا کا مدعا اس جواب سے غالباً یہ ہے کہ "اس استفسار یا استفتا پر بعض تنقیحیں (عدالتی نہیں بلکہ دینی و مذہبی) قائم ہونا چاہیئے اور ان تنقیحوں کے قائم کرنے میں انھیں تکلف ہے، تکلیف کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے سوال کا جواب زبانی ہو سکتا ہے"۔ کیونکہ نہ کوئی شخص لکھنؤ سے تھانہ بھون جائیگی زحمت اختیار کرے گا۔ اور نہ مولانا کو جواب دینے کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ وہ "نازک فرمائی" ہے، جو سوداؔ کے زمانہ میں صرف "مرغ قبلہ" کو تڑپا دیتی تھی، لیکن اب "حطیم کعبہ" کو متزلزل کر رہی ہے۔

شکر ہے کہ اس ذہنیت کی مثال مجھ کو تمام جوابوں میں صرف ایک ہی ملی اور وہ بھی ایک ایسی ہستی کی طرف سے جو شاید مسائل روزہ و نماز سے زیادہ کسی ایسے استفسار کا جواب دینے کی اہل نہیں ہے۔ جو فلسفۂ مذہب سے متعلق ہو یا جو کسی اصولی گفتگو کی طرح ڈالنے والا ہو۔

باقی تین ذہنیتوں میں سے وہ ذہنیت جس کو میں نے "راسخون" میں داخل کیا ہے یا جدید سیاسی اصطلاح میں قدامت پسند یا کنسرویٹو کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حسب ذیل حضرات کی طرف سے ظاہر ہوئی ہے :-

"قاضی صاحب بھوپال۔ مفتی صاحب رام پور۔ مفتی صاحب حیدرآباد۔ مولانا حسین احمد صاحب مفتی دیوبند۔ مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ۔ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب دہلی۔ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی۔ مولانا سید سلیمان شاہ پھلواروی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی لکھنؤ۔ مولانا محمد عبدالعزیز صاحب۔ مولانا محمد سجاد صاحب۔"

ان حضرات نے نہایت صفائی اور پورے رسوخ و یقین کے ساتھ حکم لگایا ہے کہ مسلمان چاہے کچھ کرے بہرحال اُسے ناجی ہونا ہے۔ بشرطیکہ ایمان پر اس کا خاتمہ ہو اور بُت پرست کافر کتنا ہی اچھے اخلاق کا کیوں نہ ہو اس کا ناری ہونا یقینی ہے۔

غیر جانبداریا اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنیوالی ذہنیت مولانا عبدالستار لاہوری اور مولانا احمد احمدی کے جوابات سے ظاہر ہوتی ہے، اول الذکر نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ناری اور ناجی ہونے کے متعلق وہ لب کشائی نہیں کر سکتے اس کا علم مالک الملک کو ہے۔ اسی طرح ثانی الذکر صاحب نے صفائی کے ساتھ لکھدیا ہے کہ اس کو خدا بہتر جانتا ہے کہ کون ناری ہے اور کون ناجی۔

اب صرف ایک جواب مولانا سید سلیمان ندوی کا رہ گیا جس کو میں نے مذبذب ذہنیت کے نام سے موسوم کیا ہے، کیونکہ وہ جواب شروع کرتے ہیں ان الفاظ سے کہ :-

"دونوں ناری ہیں" اور ختم کرتے ہیں اُس "لیکن" پر جس میں مسلمان کے بخشے جانے اور کافر کے نہ بخشے جانے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ ایک شخص کے لئے دشوار ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کس کا اعتبار کرے اور کس کو صحیح جواب خیال کرے۔

یہ تھا ایک سرسری اور مختصر سا جائزہ یا عمومی تبصرہ جو "علماء کرام" کے جوابات پر کیا گیا ہے، لیکن میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اصولی گفتگو اس مسئلہ پر کرنا چاہتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ عقل انسانی یا فطرت انسانی حس پر اسلام کی بنیاد کا قائم ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ان جوابات میں سے کس جواب پر مطمئن ہو سکتی ہے یا کسی پر نہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب لاہوری اور مولانا احمد صاحب احمدی کے جوابات تو قطعاً لائق اعتناء نہیں کیونکہ جب وہ اسلام کی صداقت کے مدعی ہونے کے بعد اس کی پیروی کر رہے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ انھیں علم نہیں کون ناری ہے اور کون ناجی اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام سے بہتر کسی اور مذہب کے ہونے کا امکان باقی ہے اور وہ ایک ایسے مسلک کے ماننے والے ہیں جو خود ان کے اندر کوئی کیفیت یقین و رسوخ کی پیدا نہیں کرتا۔ اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیوں مذہب اسلام کو صحیح مذہب مانتے ہیں تو اصولاً وہ یہی جواب دینگے کہ اسلام ان کے نزدیک سب سے بہتر مسلک ہے۔ لیکن اس کے بعد اگر ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ کیا اسلام کا بہترین مسلک ہونا ان کے نزدیک اس لئے نہیں ہے کہ اسی پر انسان کی نجات منحصر ہے تو ان کو یہی جواب دینا چاہیئے کہ اس کا علم ان کو نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ وہ اس عالم ریب و شک میں کس طرح اپنے آپ کو حقیقی معنے میں اسلام کا متبع کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو دعوت اسلام کیونکر دے سکتے ہیں جبکہ خود انھیں اس امر کا یقین نہیں کہ اسلام نجات کا ضامن ہے۔ مجھے مولانا احمد احمدی کے اس جواب پر بہت زیادہ حیرت ہے۔ کیونکہ احمدی جماعت بالکل تبلیغی جماعت ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کسی کو بھی اپنے مسلک کی طرف دعوت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا جواب بھی زیادہ توجہ طلب نہیں، کیونکہ اُنھوں نے کوئی یقینی صورت پیدا نہیں کی۔ اگر وہ صرف دونوں کے ناری ہونے پر حکم لگاتے، تو علیحدہ گفتگو ہو سکتی تھی، لیکن چونکہ اخیر میں انھوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ "ممکن ہے پہلا بخشا جائے اور دوسرا نہیں"۔ اس لئے جو گفتگو راسخون کے جوابات کے سلسلہ میں ہوگی، وہی مولانا ندوی کے فتوے کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ظاہر کیا گیا ہے۔ منجملہ سولہ حضرات کے بارہ نے پورے وثوق کے ساتھ مسلمان کے ناجی ہونے پر حکم لگایا ہے خواہ وہ کتنی ہی معصیت کرے اور برہمن کے ناری ہونے کا فتوے دیا ہے۔ خواہ اسکے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کسی صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے بقول مولانا اشرف علی صاحب پہلے چند منقحوں کا قائم کر لینا ضروری ہے۔

۱۔ مذہب کا مقصد صحیح کیا ہے؟
۲۔ اخلاق حسنہ کی غایت کیا ہو سکتی ہے؟
۳۔ ناری و ناجی ہونا کسے کہتے ہیں؟
۴۔ خدا اور مذہب کا باہمی تعلق کس قسم کا ہے؟

اگر ہم ان چاروں باتوں کا فیصلہ کر سکے تو ان علماء کرام کے جوابات پر بھی تنقید کر سکیں گے۔ اور خود

بھی اپنے استفسار کا جواب دے سکیں گے۔ جو ہندوستان کے اتنے حاملین شریعت کے پاس بغرض حصول فتوے بھیجا گیا تھا۔

چونکہ مختلف اوقات میں مختلف مذہبی مباحث کے ماتحت نگار میں ان تمام اُمور پر اس سے قبل کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ اس لئے میں زیادہ تفصیل وطوالت سے کام نہ لوں گا۔ بلکہ مختصراً صرف انھیں اُمور کو پیش کرونگا جو مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالنے کے لئے ضروری ہیں۔

تنقیح اول کے متعلق غالباً ساری دنیا کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مذہب کا مقصد اصلاح اعمال، تزکیۂ اخلاق اور تصفیۂ نفس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسی طرح تنقیح دوم کے متعلق بھی یہی ایک رائے پائی جاتی ہے کہ اخلاق حسنہ کی غایت صرف یہ ہے کہ انسان، دنیا کے نظام تمدن میں عضو مفید کی حیثیت اختیار کرے، دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے، ابناء جنس کے نظام عمرانی میں ایک فرد معاون ہو کر زندگی بسر کرے اور نفسانی و ذاتی اغراض سے شیرازۂ اخوت عامہ کو درہم برہم نہ ہونے دے۔ چنانچہ یہی وہ اصل اصول تھا جس کی بناء پر شریعتیں مرتب ہوئیں، قوانین وضع کئے گئے اور اچھے بُرے افعال کی فہرست ترتیب دے کر عوام کے سامنے گناہ وصواب اور سزا و جزا کی تعیین کی گئی تاکہ جو لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں، وہ بھی اصل راہ سے منحرف نہ ہوں اور قانونی پابندی سے اُن کی بے راہ روی کو متعذر بنا دیا جائے۔

تیسری تنقیح سب سے زیادہ اہم تنقیح ہے کیونکہ استفتاء میں یہی دریافت کیا گیا تھا اور اسی میں مجھے اکثر علماء کرام سے اختلاف ہے۔ عام طور پر ناری و ناجی ہونے کا تعلق "حیات بعد الممات" سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی جب انسان مرجائے گا تو جو اعمال دنیا میں اس نے کئے ہیں۔ ان کے لحاظ سے اس کو انعام یا سزا ملے گی اور اس انعام و سزا کو بہشت و دوزخ کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عذاب و ثواب جسم کے ساتھ ہوگا اور دوزخ میں واقعی سانپ، بچھو، اور آگ کے شعلے ہوں گے اور جنت میں حقیقتاً حوریں، غلمان، باغ اور میوے وغیرہ ہوں گے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ عذاب و ثواب روحانی ہوگا اور دوزخ و جنت کا بیان صرف تشبیہی و تمثیلی ہے۔ بہر حال وہ انعام و سزا جسمانی ہو یا روحانی، نتیجہ ہے اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا جو اس دنیا میں انسان سے سرزد ہوتے ہیں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ مرنے کے بعد سزا یا جزا کا مفہوم نتیجہ خیز و قابل یقین امر ہے یا نہیں بلکہ میں اس کو حرف بہ حرف صحیح ماننے کے بعد ناجی و ناری کے مفہوم پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ناری و ناجی ہونے کا تعلق علاوہ اعمال حسنہ کے کسی اور چیز سے ہے اور اگر ہے تو کیوں؟

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے لازماً ہر شخص اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ چونکہ مذہب کا مقصود اصلی اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے، اسلئے ناری و ناجی ہونے کا انحصار صرف اخلاق انسان پر ہونا چاہیئے۔ اگر وہ بُرے ہیں تو ہم کہیں گے کہ وہ ناری ہے اور اچھے ہیں تو حکم لگائیں گے کہ وہ ناجی ہے۔

اس لئے ہمارے علماء کرام کا اُس فاسق و فاجر مسلمان کے متعلق یہ حکم لگانا کہ بہر حال وہ ناجی ہے اور اُس خوش اخلاق برہمن کی نسبت یہ فتویٰ صادر کرنا کہ وہ کچھ کرے نجات اُس کی ممکن نہیں، یقیناً متذکرہ بالا اُصول سے علیحدہ کسی اور اُصول پر مبنی ہوگا اور وہ اصول کیا ہو سکتا ہے؟

میں نے جہاں تک غور کیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علماء کرام نے مذہب اسلام اور اخلاق حسنہ کو علیحدہ علیحدہ دو چیز قرار دیا ہے۔ اور ان کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ ان دونوں کا اجتماع بھی ممکن ہے اور افتراق بھی یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو۔ لیکن اخلاق حسنہ نہ رکھتا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی میں اخلاق حسنہ موجود ہوں، اور وہ مسلمان نہ ہو، یعنی اصل چیز ان کے نزدیک اخلاق انسانی نہیں بلکہ محض مسلمان ہونا ہے، خواہ اُس کے اعمال کیسے ہی خراب کیوں نہ ہوں؟

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر محض مسلمان ہونا ہی نجات کا ضامن ہے اور انسان کے اچھے اعمال کوئی چیز نہیں ہیں تو پھر اسلام کا مقصد کیا ہے؟ اور اسلام کس چیز کا نام ہے؟

جن علماء کرام نے بدکار مسلمان کے ناجی ہونے اور نکوکار برہمن کے ناری ہونے پر حکم لگایا ہے وہ گویا بہ الفاظ دیگر اس بات کے معتقد ہیں کہ محض خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کرلینا یا یوں کہیئے کہ اُن کی مقرر کی ہوئی دایمان مجمل و مفصل کی عبارت کو ایک اشلوک کی طرح پڑھکر اعتقاد کرلینا کافی ہے اور کائنات میں انسان کا وجود صرف اس لئے ہے کہ وہ ان چند الفاظ کو یاد کرلے، کیونکہ خدا اور اُس کی خدائی کائنات اور اُسکا جملہ نظام عبارت ہے۔ انھیں دو سطروں کے حفظ کر لینے سے۔

اگر حقیقتاً اسلام یہی ہے اور اس کی تمام تعلیمات کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے تو ہم کو تنقیح چہارم کا پہلے فیصلہ کرلینا چاہیئے کہ خدا اور مذہب کا باہمی تعلق کیا ہے، یعنی خدا کو مذہب کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا وہ ضرورت صرف ایک شخص کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

یہ مسئلہ میرے نزدیک زیادہ پیچیدہ نہیں ہے، کیونکہ خود انھیں علماء کرام کے اعتقاد کے موافق خدا کی ذات بے نیاز ہے اور وہ ہماری عبادت، ہماری نیائش بلکہ خود ہماری اور ساری کائنات ہستی کی طرف سے بالکل ایسا ہی بے پروا ہے جیسا کہ وہ حالت انعدام کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ نہ آفرینش سے اسے کوئی غرض البتہ ہے نہ ہلاکت و فنا سے۔ اس نے اگر عالم کو پیدا کیا تو اس طمع و غرض سے نہیں کہ کوئی اُس کا نام لے گا اور اگر وہ سب کو

تباہ و برباد کردے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ اگر وہ ہمارے انسانی بادشاہوں اور رئیسوں کی طرح نہیں ہے تو نہ اُس میں جذبۂ انتقام کی پرورش ہوتی ہے نہ جذبۂ استحسان کی، کوئی عمر بھر اگر اُس کی عبادت کرے تو وہ اپنے اُصول کو بدلنے والا نہیں۔ اور اگر کوئی ہر وقت اُسے گالیاں دے تو اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب سوال نہ اصطلاحی عبادت کا رہا، نہ اصطلاحی کفر کا، اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہماری عبادتیں اگر حقیقتاً کسی غرض سے وابستہ ہو سکتی ہیں، تو وہ خدا سے متعلق نہیں ہے بلکہ خود ہماری فلاح و بہبود سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا اثر ہماری ہی دنیادی زندگی پر پڑنا چاہئیے، دنیادی زندگی کی تخصیص میں نے اس لئے کی کہ اُخروی زندگی کے ماننے کے لئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کیوں اس سلسلہ کو قائم رکھے اور اس سے حیات انسانی، و تمدن انسانی کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے، جبکہ بقول معتقدایان مذہب دوبارہ عالم آب و گل میں لوٹ کر آنا نہیں ہے اور جزا سزا نتیجہ کے لحاظ سے بالکل بیکار چیز ہو جاتی ہے۔ سزا و جزا کا مدعا یہ ہے کہ ایک شخص آیندہ ایک فعل سے احتراز کرے اور دوسرے کو اختیار۔ لیکن جب اس کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے اور دارالعمل ختم ہو جاتا ہے تو سزا و جزا محض ایک لایعنی شے ہو کر رہجاتی ہے۔ بہرحال جو صورت بھی ہو یہ بالکل یقینی ہے کہ خدا سے ہماری عبادت و نافرمانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی خدا اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اثر خود ہمارے اوپر ہوتا ہے۔ اور وہ اثر فلاح و بہبود یا ہلاکت و زوال کے سوا کچھ نہیں۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام کے اس فتوے دینے کا سبب کیا ہے اور اُنھوں نے کیوں اعمال حسنہ کو تنہا ذریعۂ نجات قرار نہیں دیا۔ اس کے لئے آئیے سب سے پہلے قرآن میں جستجو کریں کہ اس میں اس اُمر کا کیا فیصلہ کیا گیا ہے، کیونکہ اس کے فیصلہ سے علماء کرام کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں جہاں کہیں ایمان و اسلام کا ذکر آیا ہے وہیں اعمال صالحہ کو بھی اس کے ساتھ لازم کر دیا ہے اور بغیر اعمال حسنہ کے ایمان کا کوئی مفہوم قرار نہیں دیا گیا۔ کثرت سے اس مفہوم کی آیات قرآن میں موجود ہیں۔ مثالاً چند یہاں پیش کیجاتی ہیں:۔

"انما المومنین اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔ (یعنی مومنین کی پہچان یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں اور باہم گرامن و صلح صلاح و فلاح کی زندگی بسر کریں۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ یعنی جو کوئی (خواہ وہ کسی ملک و قوم کا ہو) ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کا نتیجہ دیکھ لیگا اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کا نتیجہ پالے گا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ یعنی اللہ کسی قوم کی حالت میں کوئی تبدیلی

نہیں کرتا۔ جبتک وہ خود اپنے اندر بُری یا بھلی کوئی تبدیلی نہ پیدا کرے۔

ان اللّٰہ لا یظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسہم یظلمون۔ بلکہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ خود انسان ہی اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔"

الغرض یہ اور اسی قسم کی آیات سینکڑوں کی تعداد میں ایسی پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کا مفہوم ہی عمل صالح ہے چنانچہ ایک جگہ صاف صاف ارشاد ہوتا ہے کہ:-

ومن الناس من یقول امنا باللّٰہ وبالیوم الاخر وماہم بمومنین۔ یعنی بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے درآنحالیکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

کیوں؟ اسلئے کہ ان کے اعمال اچھے نہیں ہیں، اور اُن کے اخلاق بُرے ہیں۔ پھر کیا اس آیت کے ماتحت وہ مسلمان جس کا ذکر میں نے اپنے استفتا میں کیا ہے۔ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اور اسکو ناری نہیں کہہ سکتے۔

اسی طرح کثرت سے کلام مجید میں اعمال ونتیجۂ اعمال کے فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:-

" لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ یعنی انسان کو اتنا ہی ملیگا، جتنی اُس نے کوشش کی ہے اور وہی ملیگا جو اس کے عمل کا اقتضاء ہے۔"

پھر کیا اس اصول کے ماتحت وہ برہمن اپنے اعمال حسنہ کا اجر نہ پائے گا اور وہ مسلمان اپنے افعال سیٔہ کی سزا کا مستوجب نہ ہوگا اور کیا اس اجر وسزا کو ناجی وناری کے الفاظ سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

اس مسئلہ میں سب سے بڑی اُلجھن جس چیز نے پیدا کر دی ہے وہ شرک وتوحید یا کفر واسلام کی تفریق ہے۔ چونکہ مشرک وکافر کے لئے قرآن میں جابجا ناری ہونے کی وعید آئی ہے، اور مشرک وکافر کا مفہوم بُت پرست یا غیر مسلم قرار دیدیا گیا ہے، اس لئے ایک مولوی نہایت آسانی کے ساتھ ایک غیر مذہب والے کے ناری ہونے پر فتویٰ صادر کر دیتا ہے خواہ اُس کے اعمال کتنے ہی پاکیزہ کیوں نہ ہوں۔

میرے نزدیک کفر واسلام یا شرک وتوحید کا مفہوم ہی ان لوگوں نے بالکل غلط سمجھا ہے۔ جسطرح توحید کے معنے زبان سے خدا کو ایک کہدینے کے نہیں ہیں اسیطرح شرک کے معنے بُت پرستی کے بھی نہیں ہیں۔ میں اس سے قبل اس مسئلہ پر نگار میں کافی بحث کر چکا ہوں لیکن مختصراً یہاں بھی اسکا اظہار کئے دیتا ہوں کہ توحید سے مقصود خدا کو ایک کہلاتا نہیں، کیونکہ ایک کی نسبت بھی اسکے شان کے منافی ہے۔ بلکہ ایک سے مراد اس کو کل سمجھنا ہے اور اپنے آپ کو بھی اسی کل کا جزو قرار دے کر تمام قوائے عمل سے کام لیکر تمام ان مدارج ارتقاء کو طے کرنا ہے جو اُس کل یا قدرت نے سعی وعمل کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں۔ چونکہ بُت پرست اقوام، یعنی وہ قومیں جو تمام کاموں کا انحصار بتوں کی خوشنودی پر رکھتی ہیں، رفتہ رفتہ اپنے تمام عزائم وقوائے کاسبہ کو مضمحل بنالیتی ہیں اس لئے رفتہ رفتہ انسانی عمران وتمدن کو تباہ

کرکے خود بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔

چونکہ عہدِ رسالت میں مشرکینِ عرب کی حالت بالکل اسی درجۂ انحطاط پر پہونچ گئی تھی اس لئے شرک و کفر کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ انھیں فلسفۂ کفر و اسلام سمجھایا جاتا جس کے سمجھنے کے وہ اہل نہ تھے۔

اس لئے معلوم یہ ہوا کہ محض کفر و شرک بغیر کسی سبب کے معصیت نہیں ہے، اور خود خدا کی خوشنودی یا برہمی یا اس کے اعزاز و توہین کا سوال اس میں پنہاں نہیں ہے۔ اگر کوئی رسول پیدا ہوتا ہے اور وہ کسی قوم کے لئے قوانین وضع کرتا ہے یا کوئی اسلوب حیات متعین کرتا ہے تو اس سے مراد اس کی یہ ہوتی ہے کہ قوم ان پر کاربند ہو کر ترقی کرے۔ محض اُن قوانین کا حفظ کر لینا یا بالکل مادی طور پر رسم و رواج کی طرح اُس اسلوب زندگی پر عامل ہو جانا مفید مدعا نہیں۔ اس لئے اگر کوئی مسلمان باوجود نماز، روزہ و دیگر احکام شریعت کی پابندی کے اپنے اندر کوئی معنوی یا روحانی تبدیل پیدا نہیں کرتا اور یہ سمجھتا ہے کہ صرف ان اعمال و شعائر کی پابندی اُس کی نجات کیلئے کافی ہے (جیسا کہ ہمارے علمائے کرام نے اپنے فتاوے میں ظاہر کیا ہے) تو میں اس کو بھی شرک و کفر ہی قرار دوں گا۔ اور ایک بدکار بت پرست کے مقابلہ میں اس کو کوئی ترجیح نہیں دے سکتا، کیونکہ ان دونوں کے درمیان سوائے اس کے کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک نے بت پتھر کا بنایا ہے اور دوسرے نے وہم و خیال کا۔ وہ اگر صرف مورت کی پرستش کو انجام مقاصد کا ذریعہ سمجھتا ہے تو یہ صرف نماز روزہ کو اصل ایمان قرار دیتا ہے۔ اُس کا خدا پارہ سنگ ہے۔ اور اس کا بت نماز۔

اسیطرح اگر کوئی شخص بت پرستی کے بعد اعمال حسنہ کا حامل ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسکے اخلاق کی پاکیزگی کو بے نتیجہ و لا یعنی چیز قرار دیں۔ اگر یہ نتیجہ اُسکی بت پرستی کا نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ آپ اسکی بت پرستی کو ایک لا یعنی شے کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی حکم لگا سکتے ہیں کہ اگر وہ بت پرست نہ ہوتا تو بھی چونکہ فطرت کی طرف سے اسکو طبع سلیم عطا ہوئی تھی، اس لئے اسیطرح کا پاکیزہ اخلاق کا انسان ہوتا، لیکن یہ حق آپکو کب حاصل ہے کہ اسکے افعال حسنہ کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ پس اس صورت میں اسلام کا مفہوم بت پرستی کے علاوہ کچھ اور رہ جاتا ہے، کیا اس صورت میں آپ اسکے قائل نہیں ہوتے کہ اسلام کا مقصود صرف ظاہری مراسم کی پابندی ہے اور کیا قرآن میں اس سے انکار نہیں کیا گیا ہے اسلئے میرے نزدیک اس فتوے کا صحیح جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ:-

"ایک بدکار مسلمان قطعاً ناری ہے کیونکہ وہ کافر و مشرک ہے اور ایک نکوکار برہمن یقیناً ناجی ہے کیونکہ وہ حقیقتاً مسلمان ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ تمام علمائے کرام بھی اپنے انجام کے لحاظ سے خطرہ میں ہیں، کیونکہ وہ ایک کافر و مشرک کا ساتھ دینے والے ہیں۔ اور جو خدا کے دشمن کا ساتھ دے وہ خدا کا دشمن ہے اور دشمنِ خدا کا۔ انجام معلوم"

نیاز